پاکستان بطور جدید اسلامی جمہوریہ: اسلامی تعلیمات بمقابلہ جدید جمہوری اصول وضوابط

Pakistan as a modern Islamic democracy: The quest between Islamic teachings and modern democratic modes

علی رحمٰن*

Abstract:

Democracy is the best form of government in the 21st century and West is not accepted any regime just and trustworthy without it. With this reference all colonial power in general and British Empire in particular emphasized the democratic format in all its colonies before giving them independence. Thus, after the creation of Pakistan every effort was made to bridge the Islamic modes and democratic rules in creating constitution for a newly born Islamic state. Starting from objective resolution to 1973 constitution every effort is made on Islamic, political and legal grounds to achieve the task of modern Islamic democracy. This research paper is an effort to understand the relation of both aspects and explain the future prospects of its achievement.

Keywords: sovereign power, political system, rules, Shura, Islamic institution, democracy

تعارف:

اسلامی ریاست میں رہنے والے باسیوں کو اپنے معاملات کا اسلامی فکر کی روشنی میں جائزہ لینا اہم زمہ داری ہے، کیونکہ کہ قران فرقان حمید کی منشاء ایسے جمہوری وسیاسی نظام کا قیام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو خاص فرمانروائی کا حق حاصل ہو بیشک وہی ذات اقتدارِ اعلیٰ کی مالک ہے۔ اقتدارِ اعلی کی طرف سے حکمرانی اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کو حاصل ہے اور اسلامی ریاست میں جو بھی حکمران ہو گا وہ اللہ کے رسولؐ کا نائب بن کر حکومت کرے گا، جسے آئین و قانون کے بنیادی اصول وضوابط سے روگردانی کا حق حاصل نہیں ہو گا۔ فرمانِ الٰہی فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ.[1] کے تحت اتباعِ نبویؐ سے ہی رضائے الٰہی ممکن ہے۔ تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں ہی امن وسکون اور حفظ ومان اور ایمان کے ساتھ

* ایم فل اسکالر، وفاقی اُردو یونیورسٹی، کراچی ali.rehman.11211@gmail.com

زندگی بسر کی جاسکتی ہے کیونکہ سیرت النبی ﷺ اس جہاں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے عین مطابق اسلامی تعلیمات کی عملی تشکیل کی زندہ تصویر ہے اور منشاء خداوند وکریم سے مطابقت رکھتی ہے۔ لہٰذا مقالہ ہذا میں جمہویت کی اسلامی تعلیمات اور پاکستان میں اس پر کس قدر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ نیز قرآن مجید نے کس قسم کے جمہوری نظام کی حمایت کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس قسم کے جمہوری نظام کی ترویج کی تلقین فرمائی ہیں ان کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق، لفظ جمہوریت(Democracy)کا معنیٰ "عوام کی حکومت عموماً نمائندوں کے ذریعے، وہ ریاست یا ملک جہاں یہ نظام رائج ہو نیز جمہوری اصولوں کے زیرِ انتظام کوئی جمہوری ادارہ مراد لیا جاتا ہے۔"[2] جدید رابعہ اُردو لغت کے مطابق جمہوریت کے معنیٰ "عام لوگوں کی نمائندہ حکومت" کے ہیں[3]۔

جمہوریت انگریزی لفظ ڈیمو کریسی(Democracy)کا ہم معنیٰ ہے اورانگریزی لفظ یونانی لفظ ڈیماکریٹیا (Democratic)سے اخذ کیا گیا ہے جو دو لفظوں سے مل کر بنا ہے، یعنی ڈیماس(Demos)جس کے معنیٰ "لوگ" کے ہیں اور کریٹیا(Kratia)کے معنیٰ "طاقت واقتدار"(Power)ہیں۔ اسی طرح ڈیمو کریسی کے لفظی معنیٰ "لوگوں کی طاقت" یا "لوگوں کے اقتدار" کے ہیں۔ ایسا سیاسی نظام جس میں اقتدار کی باگ دوڑ "لوگوں" کے ہاتھوں میں ہو نہ کہ فرد واحد یا چند لوگوں کے ہاتھوں میں ہوں۔ لیکن یہاں "لوگوں" کے ہاتھوں سے مراد ساری آبادی نہیں بلکہ صرف یونانی مرد مراد ہیں جو اپنی رائے یا ووٹ دے سکتے تھے۔ یعنی جس کو "شہری حقوق" حاصل تھے۔ یونانی عورتیں، شہروں میں آباد غیر یونانی اور کثیر تعداد میں بسے ہوئے غلام "شہری حقوق" سے محروم تھے۔ اس لیے سیاسی اعتبار سے ان کا شمار "لوگوں" میں نہیں ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یونان کا تصورِ جمہوریت بہت محدود تھا جس میں تمام لوگوں کو شہری حقوق حاصل نہیں تھے بلکہ آبادی کا صرف ایک حصہ جو انتظامی امور میں شریک رہتا تھا۔ نہ صرف یونان بلکہ بیسویں صدی کے اوائل تک نہ صرف یورپ کے تمام ممالک بلکہ خود برطانیہ میں بھی ووٹ کا حق تمام لوگوں کو نہیں تھا۔ البتہ پہلی جنگ عظیم کے بعد ہر بالغ مرد اور عورت کو حق رائے دہی حاصل ہو گیا تاہم بہت سے ایشیائی اور افریقی ممالک میں یہ حق عام طور پر دوسری جنگ عظیم کے بعد ملا ہے۔ جس کے بعد جمہوریت کا مفہوم کافی وسیع ہو گیا ہے اور اب اس کا اطلاق ایسی حکومت پر ہونے لگا ہے جس میں سیاسی اقتدار کا منبع لوگ(جمہور) ہوں اور لوگ ہی رہیں۔ جس میں نمائندے عوام کی مرضی کی نمائندگی کرتے ہوں، آزادانہ کام کریں اور مقررہ قوانین کے مطابق حکام کا تقرر کریں، انہیں برطرف بھی کر سکیں اورایسے قوانین بنائیں جن سے معاشرے کی تنظیم ہو۔ اس تعریف کی رو سے جمہوریت کے مندرجہ یل ارکانِ خمسہ سامنے

آتے ہیں۔

أ. اقتدار کا منبع لوگ ہو یعنی اصل سیاسی طاقت کے مالک لوگ ہوں اور اگر حکمرانی کا حق کسی کے سپرد کر دیں تو واپس لینے کا بھی اختیار رکھتے ہوں۔

ب. لوگ خود مختار اور مکمل طور پر آزاد ہوں۔ اُن پر کوئی بیرونی طاقت حکمران نہ ہو بلکہ یہ خود ہی حاکم اعلیٰ ہوں جو چاہیں کر سکیں دوسرے ان کے سامنے جوبدہ ہوں یہ کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہوں۔

ج. حکومت ان کی مرضی کے مطابق ہو ان کی مرضی کا اظہار بغیر کسی دباؤ کے واضح اور آزادانہ طور پر کر سکیں۔

د. حکام کا تقرر لوگوں کی مرضی اور ان ہی کے نمائندوں کے ذریعہ ہو اور حکام اسی وقت تک اپنے عہدوں پر فائز رہیں جب تک انہیں لوگوں کا اعتماد حاصل رہے۔ ورنہ انہیں اقتدار دوسروں کے سپرد کرنے کا حق حاصل رہے اور

ہ. ملک کا انتظام چلانے کے لیے جو قوانین چاہیں یہ وضع کر سکیں اور جب جس قانون کو چاہیں بدل سکیں یعنی قانون سازی کے معاملے میں مکمل طور پر آزاد ہوں ان پر کوئی خارجی دباؤ یا پابندی عائد نہ ہو۔[4] اس کے علاوہ روایات کے مطابق یونانی مفکر افلاطون نے سب پہلے جمہوریہ کا لفظ استعمال کیا[5]۔

جمہوریت کی مندرجہ بالا تعریفات کے پیش نظر جمہوریت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جمہوریت اپنی ان خصوصیات کے ساتھ کبھی اور کہیں بھی قائم نہیں ہوئی۔ جمہوریت کی ان تعریفوں اور خصوصیات اور عملی قیام و نفاذ کا تقابلی مطالعہ سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں:

أ. طاقت (اقتدار علیٰ) جمہور (عوام) کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ اصل طاقت اور قانون سازی کا حق چند لوگوں کے پاس ہے جسے عام طور پر پارلیمنٹ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جو بظاہر خود مختار ہوتے ہیں کہ اپنے ملک کے لیے جو قانون چاہیں بنائیں۔ حکام کی تقرری اور اس کے احتساب کا حق اسی کو حاصل ہے۔ یہی انتظامیہ اور عدلیہ کو کنٹرول میں رکھتی ہے۔ بالفاظ دیگر کہا جاسکتا ہے کہ اقتدار کا چند ہاتھوں میں مرکوز ہونا جمہوریت کے منافی ہے جمہوریت کی بنیادی خصوصیات میں اقتدار جمہور کے ہاتھ میں ہوتا ہے، لیکن عملاً ساری طاقت چند ہاتھوں میں ہوتی ہے، تو کیا اب بھی جمہور سے مراد چند لوگ ہیں، جیسا کہ قدیم یونانی جمہوریت تھا۔

ب. اقتدار جمہور کے نمائندوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمہور کے پاس طاقت نہیں ہوتی یا وہ اس کا استعمال نہیں کر سکتے بلکہ تمام لوگ اپنی طاقت اور اختیار کسی نمائندہ کو تفویض کر دیتے ہیں اور

یہی نمائندے جمہور کی طرف سے طاقت کا استعمال کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ظاہری طور پر اور عملاً سارا اختیار پارلیمنٹ کے پاس ہوتا ہے اور وہ خود مختار ہوتی ہے لیکن جب تک اسے جمہور کا اعتماد حاصل رہے۔ یعنی ہر جمہوری ملک میں دو طرح کا اقتدار ہوتا ہے ایک تو قانونی، ظاہری، عارضی یا معیاری جو کہ پارلیمنٹ کے پاس ہوتا ہے اور استعمال کے وقت اسے مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے اس کے اختیارات لامحدود ہوتے ہیں اور دوسرا اصلی اقتدار جو کہ جمہور کے پاس ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ اگر جمہور کی مرضی کے مطابق حکومت نہیں کرتی تو جمہور جب چاہے انتخاب کے ذریعہ پارلیمنٹ کو برطرف کرسکتی ہے۔ پس جمہوریت کی روح یہ نہیں کہ اقتدارِ اعلیٰ جمہور کے ہاتھ میں ہو بلکہ جمہور کے نمائندے جمہور کی مرضی کے مطابق اختیارات کا استعمال کریں۔

ج. یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ جمہور کے نمائندے جمہور کی نمائندگی نہیں کرتے۔ عملی دشواریوں کے پیش نظر جمہور اگر اپنے نمائندوں کے ذریعہ اپنے اختیارات کا استعمال کریں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر جمہور کے نمائندے واقعی جمہور کی مرضی، خواہشات اور نظریات کے مطابق حکومت کریں تو جمہوریت کی ایک بنیادی شرط تو پوری ہو جاتی ہے کہ حکومت جمہور کی مرضی کے مطابق قائم رہے۔ اس کے لیے تین باتیں ضروری ہیں:

- عوام میں سیاسی شعور بیدار ہو، ان کی اپنی خود کی مرضی ہو اور یہ خواہش ہو کہ ان کی مرضی کے مطابق حکومت قائم ہو۔
- جمہور یا عوام کو اپنی مرضی اور خواہشات کا اظہار کرنے کے اختیار، مواقع، ماحول، آزادی وغیرہ حاصل ہوں اور ان پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہ ہو۔
- جمہور جس سیاسی جماعت کو منتخب کریں وہ اپنے انہی اصول وضوابط اور نظریہ کی پابند رہے جس پر وہ انتخاب کے وقت تھی۔ ایسا نہ ہو کہ اقتدار اور اختیار ملنے کے بعد جمہور یا عوام کی خواہشات کو پامال کرنے لگے۔

اس تصور کا جب عملی طور پر جائزہ لیا جاتا ہے تو حوصلہ افزا نتائج سامنے نہیں آتے۔ جب اس پر مزید غور کیا جاتا ہے تو یہ سچائی سامنے آتی ہے کہ جمہوری حکومتوں میں سرمایہ داروں کی مداخلت اور مکمل کنٹرول ہوتا ہے۔ موجودہ جمہوری نظام میں عام طور انتخابات جماعتی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ سیاسی جماعت تنظیم کی محتاج ہوتی ہے اور تنظیم کے لیے مال و دولت کی ضرورت جس سے کسی کو بھی انکار نہیں چنانچہ بہت سے سرمایادار اپنا سرمایا سے مختلف سیاسی جماعتوں کی مدد کرتے ہیں اور جب وہ سرمایا لگاتے ہیں تو پارٹی کے ارکان سے یہ امید لگاتے ہیں کہ وہ اسمبلی اور پارلیمنٹ میں جاکر ان کے مفادات کا تحفظ کریں گے۔ اس طرح پارٹیاں جمہور کی نہیں بلکہ مخصوص سرمایہ داروں کی نمائندگی

کرنے لگتی ہیں اور ان کے مفاد کے پیش نظیر ملک کا ریاستی نظام اور اصول و قوانین بناتی ہیں۔

د. انتخابات کے بعد جمہور کے ہاتھ میں اختیار نہیں رہتا۔ عوام کے منتخب نمائندہ پارلیمنٹ کے ممبر اور ہر سیاہ وسفید کے مالک بن جاتا ہے۔ عوام اپنے سارے اختیارات ان کو اس توقع پر دے دیتے ہیں کہ یہ عوام کی مرضی کے مطابق حکومت چلائیں گے۔ اب اگر یہ اپنے وعدوں سے پھر جائیں اور عوام کی مرضی کے خلاف کام کرنے لگیں تو انہیں روکنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ انہیں لا محدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ انہیں ملک کا دستور بھی مسترد کرنے اور نیا دستور سازی کا قانونی حق ہوتا ہے اور ووٹر یا جمہور ان سے نہ تو کوئی باز پرس کر سکتے ہیں اور نہ ہی پارلیمنٹ کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں۔ اس لیے عوام مجبور ہوتی ہے اور ان کے پاس محض صبر کرنے اور آئندہ انتخابات کا انتظار کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہوتا۔ اگر عوام اپنے جمہوری حق کا درست استعمال کرے اور اچھے نمائندوں کا انتخاب کرے تو پھر ایسے حالات کم دکھائی دیتے ہیں۔

قرآن کریم و سنت ﷺ کی نظر میں جمہوری نظام کی تشکیل:

اسلامی جمہوری ریاست میں اللہ تعالیٰ کو خاص فرمانروائی کا حق حاصل ہے اور وہی ذات اقتدار اعلیٰ کی مالک ہے اور تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔[6] (اللہ کے سوا کسی کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل نہیں ہے۔)

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ۔[7] (اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں وہ بلا شرکت غیرے کائنات کا حاکم ومقتدر ہے۔)

ایک اور جگہ حکمرانوں کے فیصلوں کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

لَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ۔[8] (حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلے کریں ورنہ وہ اللہ کے نافرمان ٹھہریں گے۔)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔[9] (اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت میں رسول ﷺ کی فرمانبرداری لازمی قرار دی ہے۔)

یعنی حکومت کی تشکیل سے لے کر لوگوں کے معاملات، حقوق اور تمام امور بلاواسطہ یا بالواسطہ منتخب نمائندوں کے مشورہ سے انجام دیئے جائیں کیونکہ تشکیلِ حکومت کی زمہ داری اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو سونپی ہے۔ ارشاد ربّانی ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا۔ [10] (اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو۔)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہوریت کا یہ فلسفہ سراسر کُفر ہے کہ سوسائٹی اپنی حکمران خود ہے۔ سوسائٹی کی اکثریت اپنے لیے جو قانون بھی طے کر لے وہی حرف آخر ہے اور وحی الٰہی اوور آسمانی تعلیمات پر عمل اختیار چیز ہے کہ سوسائٹی ان میں سے جس حکم کو چاہے قبول کر لے اور جسے چاہے نظر انداز کر دے۔ مگر وحی الٰہی کے دائرے اور آسمانی تعلیمات کی پابندی کو قبول کرنے ہوئے اس کی حدود کے اندر سوسائٹی اپنی حکومت کی تشکیل اور روز مرہ کے امور طے کرنے کے لیے باہمی مشاورت کی بنیاد پر ووٹ کا طریقہ اختیار کرتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ آج کے دور میں اُن معاملات میں جن میں شریعتِ اسلامیہ "عوامی رائے" کے حق کو تسلیم کرتی ہے عام لوگوں کی رائے معلوم کرنے کا صحیح اور منظم طریقہ ووٹ ہی ہے بشرطیکہ وہ صحیح طریقہ سے استعمال کیا جائے۔

آنحضرت محمدؐ نے فرمایا کہ "جب تمہارے حکمران، تمہارے اچھے لوگ ہوں اور تمہارے مالدار لوگ، تمہارے سخی لوگ ہوں اور تمہارے کام باہم مشورے سے ہوں تو زمین کی پیٹھ تمہارے لیے اس کے پیٹ سے بہتر ہے"۔ [11]

اس حدیث میں عزت و آرام کی زندگی کے لیے تین چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا اور یہی تین چیزیں اسلامی ریاست اور صالح معاشرے کی بنیادی شرطیں ہیں۔ ان میں صالح قیادت، غریبوں کی کفالت اور شورائیت یعنی ملوکیت اور آمریت بد نصیبی کا راستہ ہے اور شورائیت سعادت اور خوش نصیبی کا راستہ ہے۔ الغرض شورائیت حکم شرعی ہے اور مجلس شوریٰ کی تشکیل کا طریقہ کار میں ہمیں شریعت نے حکم دیا ہے کہ حالات کے مطابق جو طریقہ مناسب سمجھیں اختیار کر سکتے ہیں اور موجودہ دور میں قوم کا اعتماد حاصل کرنے کا موثر ترین طریقہ یہی ہے کہ ووٹ کے ذریعے اس قومی ادارے کی تشکیل کی جائے۔

جہاں تک جمہوری سیاسی نظام میں مشاورت کا سوال ہے تو اس سلسلے میں قرآن کریم اور سنتؐ واضح ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ۔ [12] (اور کسی کام کے بارے میں آپس میں مشورہ کیا کرو۔)

آپؐ بھی ہر اہم مسئلے کے متعلق فیصلہ کرنے وقت عام و خواص کو شریکِ مشورہ کرتے اور مفید مشورہ قبول فرماتے اور اس پر عمل کرنے بلکہ بعض اوقات ترک بھی فرمادیتے تھے اور اکثر کی رائے کا احترام کرنے ہوئے اس پر عمل کرنے کا اعلان فرمایا جاتا تھا۔ نظامِ شورائیت کی اصل روح کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: "جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسی بات کا مشورہ کیا جس کے متعلق وہ خود جانتا ہو کہ صحیح بات دوسری ہے تو اس نے دراصل اس کے ساتھ خیانت کی"۔ [13]

یہ حکم نہایت وسیع الفاظ میں ہے اور اس میں شوریٰ کی کوئی خاص شکل معین نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے احکام ساری دنیا کے لیے ہیں اور ہمیشہ کے لیے ہیں۔ شوریٰ براہِ راست تمام لوگوں سے ہو یا لوگو کے نمائندوں سے؟ نمائندے عوام کے ووٹوں سے منتخب ہوں یا خواص کے ووٹوں سے؟ انتخاب ملک گیر ہو یا صرف صدر مقام میں؟ انتخاب الیکشن کی صورت میں ہو یا ایسے لوگ لیے جائیں جن کی نمائندہ حیثیت معلوم و معروف ہو؟ مجلس شوریٰ ایک ایوانی ہو یا وہ دو ایوانی؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب ہر سوسائٹی اور ہر تمدن کے لیے یکساں نہیں ہو سکتا۔ ان جوابات کی مختلف صورتیں مختلف حالات کے لیے ہو سکتی ہیں اور حالات کی تبدیلی سے نئی نئی صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔ اس لیے شریعت نے ان امور کو کھلا چھوڑ دیا ہے۔ کسی خاص شکل کا تعین کیا ہے اور نہ ہی کسی خاص شکل کو ممنوع قرار دیا ہے۔ البتہ اصولوں کی وضاحت میں تین (۳) باتیں یہ ہیں۔ جیسے مسلمانوں کا کوئی اجتماعی کام مشورے کے بغیر انجام نہیں پانا چاہیے۔ یہ چیز ملوکیت کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ اس لیے حکومت کے معاملات میں سب سے اہم معاملہ تو خود سربراہِ حکومت کا تقرر ہے۔ معاملہ جن لوگوں کے اجتماعی کام سے متعلق ہو ان سب کو مشورے میں شریک ہونا چاہیے خواہ وہ براہِ راست شریک ہوں یا اپنے معتمد نمائندوں کے واسطے شریک ہوں اور آخری بات یہ کہ مشورہ آزادانہ، بے لاگ اور مخلصانہ ہونا چاہیے۔ دباؤ اور لالچ کے تحت ووٹ یا مشورہ لینا دراصل مشورہ نہ لینے کا ہم معنی ہے۔

اسلامی جمہوری نظام میں اُمیدوار اور ووٹرز کی اہلیت کا معیار:

عام طور پر جمہوری سیاسی نظام کے متعلق بقول علامہ محمد اقبالؒ یہ فلسفہ پیش کیا جاتا ہے کہ

جمہوریت وہ طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے[14]

بظاہر یہ اعتراض وزنی معلوم ہوتا ہے لیکن عملی نقطہء نظر سے مساواتِ انسانی کے اصول کی بنیاد پر ہو بالغ شہری کو رائے دہندگی کے برابر حقوق دینا ہی قرین انصاف ہے۔ جہاں تک ذہین اور دانشور افراد سے استفادہ کا تعلق ہے وہ جمہوری سیاسی نظام میں اپنے افکار و خیالات عوام تک پہنچاسکتے ہیں اور ان کو صحیح اور اچھی بات پر قائل کر سکتے ہیں۔ بلکہ کسی معاشرے میں کسی رائے کے قومی احساسات و روایات کے ترجمان ہونے کا عملی ثبوت بھی یہ ہوتا ہے کہ عوام کی اکثریت اس کی صحت کو تسلیم کر کے اپنا لیتی ہے۔ جہاں تک رائے کا تعلق ہے تو اسلام بعض امور میں عام آدمی سے کی رائے سے اہل علم و تقویٰ کی رائے کو زیادہ وقعت دیتا ہے۔ بلکہ بعض امورِ مشورہ مجلسِ شوریٰ عمومی اور

بعض شوریٰ خصوصی سے متعلق ہوتے ہیں۔ نمائندوں کے چناؤں کے لیے مجلسِ شوریٰ عمومی کی ضرورت ہے۔ جب نمائندے منتخب ہو جائیں تو پھر یہ نمائندے مجلسِ شوریٰ خصوصی کہلاتے ہیں لیکن یہ چناؤ عوام کی ذمہ داری ہے اور عوام کو حضور اکرمؐ نے واضح ہدایت فرمائی کہ "ایسے لوگوں کو چُنا جائے جو بہترین ہوں۔ یہ امانت اور ذمہ داری عوام اسی کے کندھوں پر ڈالیں جو اسے اٹھانے کی سکت رکھتا ہو، نیک اور پارسا شخص ہو، جو خدمت کا جذبہ رکھتا ہو، ورنہ اللہ، رسولؐ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت ہو گی۔"[15]

یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ صرف وہی آدمی بطور امیدوار سامنے آئے جو اپنے آپ کو اس کا اہل تصور کرتا ہو اور لوگ متعدد امیدواروں میں سے صرف اس کا چناؤ کریں جو واقعی اس منصب کا اہل ہو۔ ایسے لالچی اور حریص اُمیدواروں کو رد کر دیں جو خدمت کا جذبہ نہ رکھتے ہوں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے دو چچازاد بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! اللہ عزّوجل نے آپ کو جو حکومت بخشی ہے اس کے ایک حصّے پر ہمیں حاکم بنا دیجیے۔ پھر دوسرے نے بھی ایسی ہی بات کہی تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا کہ "ہم کسی ایسے آدمی کو حاکم نہیں بناتے جو خود اس کو مانگے اور حریص ہو۔"[16]

درجہ بالا موقف کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کا فرمان بھی ملاحظہ کریں جس کے مطابق منصب کی طلب کوئی بری بات نہیں بشرطیکہ وہ خود اس کا اہل ہو۔ خدمت کا جذبہ رکھتا ہو، لالچی اور حریص نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے فرمایا: "جو شخص مسلمانوں کے منصب قضاء کی درخواست کرے یہاں تک کہ وہ اسے پالے پھر اس کے ظلم پر اس کا عدل غالب آجائے تو اس کے لیے جنت ہے اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب آجائے تو اس کے لیے جہنم ہے۔"[17]

مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی پارٹی کے طرف سے ایسا امیدوار نامزد کیا جانا چاہیے جو خدمیت کا جذبہ رکھتا ہو، لالچی اور حریص نہ ہو، دینی اور دنیاوی علوم سے واقفیت رکھتا ہو۔ اسی طرح ووٹر اپنے ووٹ کا حق استعمال کرتے ہوئے ایسے ہی حوصلہ مند، جرأت اور خوفِ خدا رکھنے والے امیدوار کا انتخاب کریں۔ ذاتی فوائد کی بجائے قومی و ملیّ فواید کو ترجیح دیں۔ اہلِ علم و دانش کی بھی زمہ داری ہے اس سلسلے میں عام مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں پھر ہی جمہوریت معاشرہ پروان چڑھ سکتا ہے اور سیاسی نظام صحیح معنوں میں اسلامی جمہوری سیاسی نظام کہلا سکتا ہے جس میں تمام بالغ تعلیم یافتہ شریکِ مشورہ ہوں ورنہ آج کل آدھے ووٹ بھی کاسٹ نہیں ہوتے اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد ووٹ نہ ڈال کر جمہوری سیاسی نظام سے کنارہ کشی اختیار کرتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ گننے اور نہ تولنے کے فلسفے کو مات دی جائے اور بالغ رائے دہی کے بجائے، سمجھ دار تعلیم یافتہ بالغ رائے دہی کا استعمال کیا جائے اور ووٹ نہ ڈالنا قومی، ملیّ، اخلاقی و مذہبی جرم قرار دیا جائے۔

جمہوری وسیاسی نظام میں حق رائے دہی اور اسلامی نقطہ نظر:

جمہوری وسیاسی نظام میں حکومت کی مجلسِ شوریٰ کے لیے ہر علاقے سے ممبران اسمبلی کا انتخاب ہوتا ہے۔اس چناؤیا انتخاب کے لیے بالغ رائے دہی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر بالغ جس کا قومی شناختی کارڈ اور ووٹ بنا ہوا ہو۔ وہ امیدوار برائے ممبر اسمبلی کو ووٹ دیتا ہے اور جس امیدوار نے زیادہ ووٹ حاصل کیے ہوں وہ کامیاب قرار پاتا ہے اور مخصوص مدت کے لیے اسے ریاست کے نظم ونسق کے فرائض تفویض کیے جاتے ہیں۔ووٹ اُمیدوار کے حق میں گواہی ہے کثیر تعداد بتاتی ہے کہ وہ کن کو زیادہ دیانت دار اور باصلاحیت تصور کرتی ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ ہر ووٹر اپنی رائے کا صحیح اور درست استعمال کرے، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے:

"جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے یہ جملہ آپ ؐنے تین بار دہرایا"۔[18]

ایک اور جگہ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "سنو اور اطاعت کرو، جو ذمہ داری ان پر ڈالی گئی اس کا بوجھ ان پر ہے اور جو تم پر ڈالی گئی اس کا بوجھ تم پر ہے"۔[19]

پیسے لے کر کسی کے حق میں ووٹ دینا رشوت لینے کے مترادف ہے اور رشوت لینے والا رسول ﷺ کی نظر میں لعنت کا مستحق ہے۔ووٹ ایک سفارش بھی ہے اور غلط سفارش نہایت مذموم عمل ہے۔لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ووٹ دیتے ہوئے اس بات کو ملحوظ رکھے کہ ووٹ کے ذریعہ سچی گواہی یا جھوٹی گواہی دے رہا ہے، اچھی یا بری سفارش کر رہا ہے، مناسب یا غیر مناسب شخص کو اپنا وکیل اور نمائندہ بنا رہے۔ووٹ دینے پر پیسے لے کر وہ صریحاً رشوت خوری کا مرتکب ہوتا ہے یا بلا عذر ووٹ نہ دے کر گواہی چھپانے کا گناہ مول لیتا ہے۔ووٹ ڈالتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ انتخاب کے بعد منتخب شدہ افراد کی ذمہ داری ان کے ذمہ ہے اور ووٹر کی ذمہ داری ان کی اپنی ہے۔ووٹ کے غلط استعمال کے متعلق آپ ؐنے فرمایا:

"جب امانت (ایمانداری دنیا سے) اُٹھ جائے تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کر جب (حکومت کے کاروبار) نالائق لوگوں کو سونپ دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کر"۔[20]

لہٰذا ان پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر نسبتاً بہتر، دیانت دار، ملک وملت کے حق میں مفید اور خیر خواہ امیدوار کے حق میں پنے ووٹ کا استعمال کر کے قومی مفادات کو ترجیح دینی چاہیے جہاں تک رائے دہی میں عورتوں کا تعلق ہے تو ان سے بھی رائے لی جائے گی۔ دور حاضر میں کسی صورت بھی سیاسی معاملات میں عورتوں کو پیچھے نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔[21] (اے نبیؐ! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں مانیں گی اور چوری نہیں کریں گی اور زنا نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہو اور نہ کسی بھلے کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو تم ان سے بیعت کر لیا کرو اور ان کے حق میں اللہ سے مغفرت کی دُعا کیا کرو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ "اصحاب رسول ﷺ کو جب کوئی مسئلہ پیش آیا اور اسے حضرت عائشہؓ کے سامنے رکھا تو ان کے پاس اس بارے میں علم پایا۔"[22]

درجہ بالا وضاحت ثابت کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں کے اپنے معاملات سپرد کر دینے کی جس صورت میں مذمت فرمائی ہے وہ یہ کہ تمام فیصلے عورتوں ہی کے حوالے کر دیے جائیں۔ انہی کی رائے کو فیصلہ کن قرار دیا جائے اور مرد ہر معاملے میں عورتوں کے پیچھے چلنے لگیں لیکن اس سے یہ مطلب نکالنا درست معلوم نہیں ہوتا کہ ان سے کبھی مشورہ ہی لینا جائز نہیں اور کوئی ایسی نص بھی موجود نہیں جس بنا پر یہ کہا جائے کہ انہیں شوریٰ میں شامل نہیں کیا جا سکتا، البتہ یہ بات طے ہے کہ اگر انہیں شوریٰ میں شامل کیا جائے۔[23] تو حجاب شرعی کے احکام کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہو گا اور ویسے بھی اسلام میں عورتوں کو ہر اس کام کی اجازت ہے جس کی شریعت نے نفی نہیں کی۔ اس سلسلے میں حضرت محمد ﷺ کی ازدواج اور صحابیات رضی اللہ عنہما کی مثالیں تاریخ اسلام میں بکثرت ملتی ہیں۔

قیامِ پاکستان کی اصل اساس:

عالمی سطح پر یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان مذہب کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اور اندرون ملک بھی یہ بات اتنے زور و شور، اس قدر شد و مد کے ساتھ کہی گئی ہے کہ اب عام طور پر تو اس جانب دھیان ہی نہیں دیا جاتا اور بہت سے لوگوں کو اس سے متلی کی کیفیت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ منبر و محراب سے یہ صدا تقریباً مسلسل ہی بلند ہوتی رہی اور سیاست کے میدان میں بھی نیم سیاسی اور نیم مذہبی کھلاڑیوں نے اکثر و بیشتر اُسی "نعرے" کا سہارا لیا ہے۔ دوسری جانب گاہے بگاہے کچھ دوسری باتیں سُننے میں آتی رہتی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان ہرگز مذہب کی بنیاد پر قائم نہیں ہوا۔ اس کے وجود میں آنے کے اصل اسباب خالص سیاسی یا خالص معاشی تھے۔ بحر حال یہ بات پوری دنیا میں تسلیم کی جاتی ہے، قطع نظر اس سے کہ کسی کو پسند ہو یا نہ ہو لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پورے

برصغیر کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کرنے والا نعرہ بہر صورت "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ اللہ!" ہی تھا اور اس سے ہر کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کے الفاظ بزرگوں نے متعین کیے تھے یا نوجوانوں نے ترتیب دیے تھے۔ جن کے ذریعے بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے مسلمانوں کی قومیت کی اساس "مذہب"، پاکستان کی منزل "اسلام" اور پاکستان کا دستور "قرآن مجید" کو قرار دیا تھا اور قیام پاکستان کا مقصد یہ بیان کیا تھا۔ کہ ہم پاکستان کے ذریعے عہد حاضر میں اسلام کے اصول حریت، مساوات اور اخوت کی جدید تفسیر اور عملی نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔[24] اس حقیقت سے انکار کوئی شخص نہیں کر سکتا کہ ان اعلانات کے بغیر نہ مسلم لیگ ایک عوامی جماعت بن سکتی تھی، نہ برصغیر پاک وہند کے طول و عرض بسنے والے مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے تھے۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے۔ ہندوستان کی تقسیم دو قومی نظریئے کی بنیا پر عمل میں آئی تھی اور پاکستان مسلم لیگ قومیت کی اساس اور اسلام کے نام قائم ہوا تھا۔ چنانچہ مفکر و مصور پاکستان علامہ اقبال نے بھی اپنے خطبہ الہ آباد ہندو پاک کے شمالی مغربی علاقے پر مشتمل ایک علیحدہ مملکت کے قیام کی تجویز مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کی بنیاد پر اور ہندو مسلم تنازعے کے مؤثر حل کے طور اور اس مقصد کے تحت پیش کی تھی کہ مسلمانانِ ہند کو ایک موقع میسر آجائے کہ وہ اسلام کے نظام عدل اجتماعی پر جو پردے دور ملوکیت میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر سیاسی، معاشی اور معاشرتی عدل و انصاف کے اس نظام کو دوبارہ قائم کر سکیں جو نبی اکرم ﷺ کی "رحمتُ اللعالمین" کا اصل مظہر ہے تا کہ پوری نوع انسانی کے لئے ہدایت اور سلامتی کا ایک روشن مینار قائم ہو سکے اور اسی طرح بانی و معمارِ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے سوچ کے مطابق وہ پاکستان کہ عہد حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔

پاکستان کی جمہوری تقاضے اور اسلامی تعلیمات:

جمہوریت سیاسی امور میں اجتماعی دانش کے بروئے کالانے کا نام ہے۔ اسلام بھی اس کا قائل ہے۔ رسالت مآب ﷺ کے بعد دین اسلام کی دعوت اور فروغ کام مشن کسی فرد واحد کو نہیں، بلکہ اجتماعی حیثیت میں منتقل کیا گیا ختم نبوت کا ایک مفہوم "درمیان والی جماعت" کی بھی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربّانی ہے: ”ہم نے تمہیں درمیان والی جماعت بنایا تا کہ تم لوگوں پر حق کی شہادت دینے والے بنو“۔[25]

اسلام کو لوگوں نے اس زاویے سے نہیں سمجھا اس لیے آج بھی یہ خیال پیش کیا جاتا ہے کہ سماج میں چند صالحین ہونے چاہیں جو کسی طرح سے اقتدار پر قبضہ کرلیں تو دنیا میں خیر پھیل جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس تعمیر کی روشنی میں

اجتماعی دانش کا کوئی تصور آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پاکستان سمیت دنیا میں حکومت پر تنقید ہر مہذب ملک میں عوام کا ناگزیر حق سمجھا جاتا ہے، اس حق کی ضرورت وافادیت ناقابل انکار ہے۔ لیکن ہم نے ماضی میں اس حق کا غلط استعمال بھی کیا ہے اور بہت سی کمزوریوں کو چھپانے کی کوشش کی ہے لیکن ہمارے حکام بھی درحقیقت خود ہمارے کردار و عمل کا ائینہ ہوتے ہیں۔ حکمران طبقہ کی بدعنوانیوں کی زمہ داری خود ہم پر بھی عائد ہوتی ہے۔ اگر ہم میں خوف، طمع اور ذاتی مفاد پرستی کے جذبات نہ ہوتے تو نہ آمریت پروان چڑھ سکتی تھی اور نہ اپنی دولت کے سہارے ووٹ خرید خرید کر اقتدار تک پہنچ سکتے تھے۔ دوسری طرف اگر عوام نے ووٹ دینے کے مرحلے پر اپنی ذمہ داری کا خاطر خواہ احساس کیا اور خوف و طمع کے محرکات کو قدموں تلے کچل کر پوری دیانت داری اور اجتماعی شعور کے ساتھ اپنے وٹ کا استعمال کیا تو آنے والی حکومت گزشتہ سالوں کے نقصانات کی تلافی کرکے رفتہ رفتہ ماضی کے سارے داغ دھو سکتی ہے اور اس صورت حال میں پوری دنیا پر یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ یہ قوم آزادی کی قدر پہچانتی ہے اور اس کا صحیح استعمال جانتی ہے۔[26] جب تک ہم پوری دنیا پر اپنے عمل سے یہ باور نہیں کرائیں گے کہ ہم ایک مکمل دین اور مستحکم نظام حیات رکھتے ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اپنے اس دین سے پھیر نہیں سکتی۔ ماضی میں ہماری سیاست بلاشبہ مفاد پرست لوگوں کے ہاتھوں گندگی کا ایک تالاب بن چکی ہے لیکن جب تک کچھ صاف ستھرے لوگ اسے پاک کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھیں گے اس گندگی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔

دنیا کا ہر وہ آئین جو جمہوریت یعنی "اکثریت کی آمریت" پر یقین رکھتا ہے اس میں یہ اہلیت ہوتی ہے کہ وہ جب اور جس وقت چاہے ایک واضح اکثریت حاصل کرکے اپنے پورے ڈھانچے کو تبدیل کر سکتا ہے۔ پاکستان کے آئین کی کسی بھی شق میں یہ ضمانت نہیں دی گئی کہ پاکستان کی پارلیمنٹ کے ارکان دو تہائی اکثریت سے اس آئین کے اسلامی تشخص کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ ائین ان ارکان اسمبلی کو مکمل اختیار دیتا ہے کہ وہ جب اور جس وقت چاہیں دو تہائی اکثریت سے قرارداد مقاصد کو آئین سے کھرچ کر باہر پھینک دیں۔ یہ ہے حیثیت اور مقام جو کسی بھی جمہوری آئین میں آئین الٰہی یا احکامات الٰہی کا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ دنیا کی کسی بھی جمہوری حکومت میں طاقت کا سرچشمہ اور آئین و قانون بنانے کا اختیار عوام کے پاس ہوتا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں اللہ، خدا، گاڈ، ایشور کے خلاف سب سے منظم بغاوت جدید سیکولر جمہوری نظام نے کی ہے۔ اس سے پہلے فرعون ہوتا تھا جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور لوگوں پر جبر سے اپنے اس دعوے کو نافذ کر دیتا تھا۔ لیکن بحیثیت قوم جو منطق آج کی جمہوری ریاست پیش کرتی ہے ویسی ہی منطق حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے پیش کی تھی جن پر ناپ تول میں کمی کرنے پر عذاب آیا تھا۔ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے یہی کہا تھا کہ کمائیں ہم اپنی محنت سے اور خرچ تمہارے اللہ کی مرضی سے کریں۔ یہی

منطق آج کے تمام سیکولر جمہوری دستور آئینوں میں درج ہے۔[27] ہر وہ آئین مکمل طور پر جمہوری ہوتا ہے جس میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ وہ عوام کی نمائندہ پارلیمنٹ کی طاقت سے خود کو تبدیل کر سکے اور پاکستان کا آئین بھی یہ صلاحیت اپنے اندر بدرجہ اتم رکھتا ہے۔ یہ صلاحیت جس آئین میں بھی ہوتی ہے وہ تمام الٰہی تعلیمات اور قوانین ہی نہیں بلکہ قوانین فطرت کے خلاف بھی قوانین بنانے اور ان پر عملدرآمد کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ پاکستان میں قانون بنانے، آئین مرتب کرنے اور ان میں ترمیم و تنسیخ کا مکمل اختیار عوام کی منتخب کردہ پارلیمنٹ کو ہے۔ وہ اگر کہیں گے کہ شریعت ہمارا سپریم لاء ہے تو رہے گا، وہ انکار کر دیں گے تو آئین میں دی گئی یہ حیثیت کہ کوئی قانون قرآن و سنتؐ کے منافی نہیں بنایا جاسکتا، یہ پلک جھپکتے میں ختم ہو جائے گی۔

درج بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کے تقرر میں مشاورت مشترک نظر آتی ہے کہ موزوں افراد کو نامزد کر کے عوام الناس سے بذریعہ بیعت اس کی تائید حاصل کی جاتی تھی اور آج کے جمہوری سیاسی نظام میں ووٹ کے ذریعے عوام کی تائید حاصل کی جاتی ہے۔ آج کے دور میں اہل فرد کی وہ صورت حال بر قرار نہ رہی بلکہ موجودہ جمہوری سیاسی نظام میں مجالس شوریٰ کا مجموعہ اہل امیدوار کا انتخاب کرتے ہے جبکہ مجلس شوریٰ کا انتخاب براہ راست بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہو سکتا ہے۔ جسے پاکستان کے مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کے تحت تعلیم یافتہ بالغ رائے دہی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ بحث:

آج کل دنیا میں جمہوری طرزِ حکومت، انتخابی جمہوریت کی ایک شکل میں موجود ہے جو خاص طور مغرب میں سولھویں صدی عیسوی کے بعد کے دور میں معرضِ وجود میں آیا۔ یہ طرز حکومت مغرب نے قدیم مطلق العنان بادشاہت کے ردّعمل میں عوام الناس کی طاقت کے اظہار کے طور پر اپنایا۔ لہٰذا جدید یورپ کا پسندیدہ طرز حکومت بنیادی طور پر لبرل جمہوریت ہے جس میں انفرادی حقوق کی ضمانت میسر ہے۔ نظامِ حکومت، چاہے صدارتی ہو، پارلیمانی ہو یا آئینی بادشاہت جس میں مذہب خالصتاً ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے جسے حکومت و معاشرت کے اجتماعی شعبوں میں کوئی دخل نہیں۔ منتخب نمائندے دستور و قانون کی تشکیل میں آسمانی تعلیمات یا کسی قسم کی خارجی ہدایات کے پابند نہیں ہیں۔ حکومت کی تشکیل اور اس کی بقاء عوام کی رائے اور مرضی پر موقوف ہے اور عوام کی مرضی یا قبولیت کے بغیر قائم ہونے والی کوئی حکومت جائز حکومت نہیں ہے۔ قرآن کریم کا منشاء بھی جمہوری سیاسی نظام کا قیام ہے لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کو خاص فرمانروائی کا حق حاصل ہے اور وہی ذات اقتدارِ اعلیٰ کی مالک ہے۔

اقتدارِاعلیٰ کی طرف سے حکمرانی اللہ کے رسول ﷺ کو حاصل ہے اور آج تک جو بھی حکمران ہو گا وہ اللہ کے رسول ﷺ کا نائب بن کر حکومت کرے گا، جسے آئین و قانون کے بنیادی اصول وضوابط سے روگردانی کا حق حاصل نہیں ہو گا۔ تشکیل حکومت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو سونپی ہے جس کے لیے شورائیت کا اصول دیا ہے اور اسی نظامِ مشاورت کا دوسرا نام جمہوریت ہے۔ مروجہ جمہوریت کی پیدائش سے صدیوں پہلے مسلم علماء اور محققین کی تصانیف میں جمہور کی اصطلاح مستعمل چلی آرہی ہے۔اسلام حکومت کی تشکیل میں عوام الناس کی رائے کو بنیاد تسلیم کرتا ہے اور حکومت کے لیے عوام کے اعتماد کو ضروری قرار دیتا ہے۔شورائیت کا حکم شرعی ہے جن میں شریعت نے ہم کو آزادی دی ہے کہ حالات کے مطابق جو طریقہ مناسب سمجھیں اختیار کر سکتے ہیں۔

اگر دور جدید میں پاکستان کے اسلامی جمہوری پس منظر میں جائزہ لیں تو جمہوری اقدار کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے یہاں بھی سیاسی و جمہوری نظام دیکھیں تو یہاں پر بھی حکومت اور اقتدار صرف چند ہاتھوں میں نظر آتا ہے کیونکہ سابقہ حکمران پارٹیاں پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ(ن)وغیرہ اپنے خاندان کے افراد کو ہی پارٹی میں آگے لاتے رہتے ہیں۔ ان میں سابقہ صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری نے اپنے بیٹے بلاول کو سیاست میں متعارف کروایا ہے اور سابقہ وزیر اعظم جناب سید یوسف رضا گیلانی نے بھی اپنے تینوں بیٹوں کو سیاست کے میدان میں اُتار دیا ہے اور اس کے ساتھ سابقہ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے اپنی بیٹی اور سابقہ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف نے بھی اپنے بیٹے کو سیاست میں متعارف کروا چکے ہیں گویا پاکستان کی فضاء میں جمہوریت کی بجائے آئینی بادشاہت کی جھلک زیادہ نظر آتی ہے۔

حوالہ جات:

[1] القرآن۔ سورہ آل عمران آیت ۳۰۳

[2] Shan ul Haq Haqi, *The Oxford English Urdu Dictionary*, Karachi: Oxford University Press, 2007, p. 401

[3] سعید شیخ، جدید رابعہ اُردو لغت، لاہور: رابعہ بک ہاؤس، ص ۳۰۳

[4] محمد ذکی، جمہوریت اور اسلام کا سیاسی نظام، علی گڑھ: سہ ماہی تحقیقات اسلامی، شمارہ نمبر ا، جنوری تا مارچ ۱۹۸۷، ص ۹۰

[5] مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور سیاسی نظریات، کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۱، ص ۱۱

[6] القرآن۔ سورۃ یوسف آیت ۴

[7] ایضاً۔ سورۃ المؤمن آیت ۱۲

[8] ایضاً۔ سورۃ بنی اسرآئیل آیت ۱۱۱

[9] ایضاً۔ سورۃ المائدہ آیت ۴۴

[10] ایضاً۔ سورۃ النساء آیت ۵۸

[11] محمد بن عیسیٰؒ الترمذی، جامع ترمذی، (مترجم: علامہ مولانا بدیع الزمان برادر علامہ وحید الزمان)، لاہور: نعمانی کُتب خانہ، ۲۰۱۲، حدیث ۲۲۶۶

[12] القرآن۔ سورۃ الشوریٰ آیت 37

[13] ابو داؤد سلیمان بن الشعثؒ سجستانی، سنن ابو داؤد، (مترجم الشیخ ابو عمار عمر فاروق سعیدی)، لاہور: دارُ السلام، ۲۰۰۸، حدیث ۳۶۵۷

[14] مقصود جعفری، کالم "علامہ اقبال کا نظریہ جمہوریت اور پاکستان"، لاہور: روزنامہ نوائے وقت، ۲۰۰۸، اپریل ۲۰۱۵

[15] سنن ابو داؤد، حدیث ۵۱۲۸

[16] محمد بن اسماعیلؒ بخاری، صحیح بُخاری، (مترجم حافظ عبد الشاد الحماد)، لاہور: دارُ السلام، ۲۰۱۳، حدیث ۱۴۹۷

[17] سنن ابو داؤد، حدیث ۳۵۷۵

[18] ایضاً۔ ۳۵۹۹

[19] مسلمؒ بن الحجاج، صحیح مسلم شریف، (مترجم علامہ وحید الزمان)، لاہور: خالد احسان پبلشرز، ۲۰۰۴، حدیث ۴۷۸۳

[20] صحیح بخاری، حدیث ۵۹

[21] القرآن۔ سورۃ الممتحنہ آیت ۱۲

[22] جامع ترمذی، حدیث ۲۸۸۳

[23] مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور سیاسی نظریات، کراچی: مکتبہ معارف القرآن۔ ۲۰۱۱، ص ۲۶۹

[24] اسرار احمد، استحکامِ پاکستان، لاہور: تنظیم اسلامی، ۱۹۸۶، ص ۶۳

[25] القرآن۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳

[26] مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور سیاست حاضرہ، کراچی: مکتبہ دار العلوم کراچی، ۲۰۰۸، ص ۷

[27] اوریا مقبول جان، جمہوریت اسلام اور پاکستان، ڈیلی کالمز، ۱۲ فروری ۲۰۱۸، دیکھا گیا ۱۲ اپریل ۲۰۲۰
http://dailyurducolumns.com/column/orya-maqbool-jan/jamhoriat-islam-aur-pakistan.aspx.